

مغرب اور عالم اسلام

پروفیسر عبدالقدیر سلیم °

آج مغرب، کرۂ ارض پر کسی جغرافیائی خطے کا نام نہیں؛ بلکہ ایک فکر و فلسفے، ایک رویے اور ایک استحصالی عرفیت کا نام ہے؛ جو بقیہ ساری دنیا کو اپنی چراگاہ اور شکارگاہ تصور کرتا ہے۔ پیش نظر کتاب مغرب اور عالم اسلام کے مصنف خرم مراد کا مغرب سے تعلق بالواسطہ بھی تھا اور بلاواسطہ بھی۔ پاکستان میں انجینئرنگ کی تعلیم کے بعد بغرض مزید تعلیم وہ امریکا گئے اور اسلام کی نشرواشاعت کے لیے عرصے تک انھوں نے انگلستان میں بھی قیام کیا۔ اس طرح انھوں نے مغرب اور مغربی تہذیب کا صرف ذور ہی سے جلوہ نہیں دیکھا؛ بلکہ اس کے قلب و دماغ میں داخل ہو کر اس کا مشاہدہ کیا۔ لیکن وہ اس سے مرعوب نہیں ہوئے؛ بلکہ اپنے اسلامی ذہن سے اس کا مطالعہ کر کے اپنی گہری ایمانی وابستگی کی روشنی میں انھوں نے اس کا تجزیہ کیا۔

مغرب اور عالم اسلام اُن کے ۱۶ مضامین کا مجموعہ ہے؛ جن میں سے بیس تر ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں شائع ہو چکے ہیں۔ پروفیسر سلیم منصور خالد نے انھیں بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے اور بعض مقامات پر تصریحات اور حواشی لکھے ہیں۔ کتاب کے آخر میں تفصیلی اشاریے سے قاری کو موضوعات تک رسائی میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔

خرم مراد کا نقطہ نظر (thesis) یہ ہے کہ اپنی تمام روشن خیالی اور معروضی انداز تحقیق و تحریر کے باوجود یورپ (مغرب) کا ذہن آج بھی ازمندہ وسطی کے متعصب اور جاہل عیسائیوں سے

مختلف نہیں؛ جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں جھوٹ اور کمر کے ہر تھیار کو استعمال کر کے ہرزہ سرائی کی ایک طویل داستان رقم کی تھی۔ آج کے مغربی محققین، معروضیت اور متانت اور سائنسی طریق تجزیہ و تحقیق کا لبادہ اڑھ کر اسلام کی ایک ایسی تصویر پیش کر رہے ہیں؛ جو نہ صرف غیر مسلموں کے ذہن میں اسلام سے ایک تھوب اور نفرت پیدا کرنے میں فعال ہے؛ بلکہ نسلی مسلمانوں کی نژادوں کے دل میں بھی اپنے آبائی دین سے برکتگی کا باعث بن رہی ہے۔

عالم اسلام کے خلاف مغرب کی یہ جنگ؛ سیاسی اور معاشی بھی ہے اور تہذیبی اور علمی بھی۔ خرم مرحوم کو اس کا واضح شعور تھا۔ 'قانون توہین رسالت' کے عنوان سے وہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے پر مسلمانوں کے سخت ردِ عمل پر مغرب کا شور و غوغا اس امر کا غماز ہے کہ اُسے ہمارے احساسات کی کوئی پروا نہیں؛ یا وہ جانتا ہے کہ آں حضور کی ذات مبارکہ ہی ہماری قوت کا [سرچشمہ]..... ہماری وحدت کا راز ہے (ص ۳۲)۔ بقول اقبال؛ ہمارے جسد میں رسالت ہی کی وجہ سے جان ہے۔ دنیا میں ہمارا وجود ہمارا تشخص؛ ہمارا دین و آئین ذات رسالت مآب کی بنا پر ہے؛ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مطہرہ پر حملہ کر کے اور پھر اس پر ہمارے ردِ عمل پر ہمیں مدہ صفت کی تلقین کر کے دراصل مغرب اس تعلق کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔

'دنی صلیبی جنگ اور دینی مدارس' کے عنوان سے انھوں نے یہ چشم کشا انکشاف کیے کہ برعظیم ہندو پاکستان میں ۱۹۹۴-۹۵ء میں تقریباً ایک ساٹھ دینی مدارس کے خلاف کارروائیوں کا آغاز ہوا۔ یہ محض اتفاق نہیں؛ بلکہ اس کے ڈانڈے کہیں دُور جا کر ملتے ہیں۔ ہندستان میں ندوہ (لکھنؤ) دارالعلوم (دیوبند) اور دوسری درس گاہیں اس کا ہدف بنیں؛ اور پاکستان میں بھی اہل مغرب اور اُن کے حلیف حکمرانوں نے ان مدرسوں کو فرقہ واریت اور دہشت گردی کا گڑھ قرار دیا۔ مغرب کے بان گزار حکمران کیوں یہ کارروائیاں کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ انھیں یہ احساس ہے کہ یہی ادارے؛ مسلمانوں کے تشخص کو باقی رکھنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں؛ اور اسلام سے سرشار یہی بنیاد پرستی اُن کے لیے خطرہ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مغرب؛ جو انسانی حقوق قانون کی بالادستی مہذب معاشرے اور

’سول سوسائٹی‘ کی بات کرتا ہے، خود اپنے اندر خوف ناک دہشت گردوں کو پالتا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں اوکلاہوما کے بم دھماکے میں، جس میں ۱۹۰ سے زیادہ جانوں کا اٹلاف ہوا، اور شہر کے وسط میں بڑی جاہلی پھیلی، شروع میں الزام مسلمانوں ہی پر لگایا گیا۔ مگر مجرم ایک ’سفید فام، اصلی، نسلی امریکی‘ نکلا، جو اپنے جیسے ہزاروں امریکیوں پر مشتمل ایک منظم گروہ کا رکن ہے۔ خرم کہتے ہیں کہ اب ’اسلام، فٹڈ منغل ازم اور دہشت گردی‘ کی یہ خود ساختہ تکیوں ختم ہونی چاہیے۔ مغرب اور اسلام کے درمیان اس طرح کی محاذ آرائی سے کسی کو فائدہ نہیں ہوگا۔

مگر یہ محاذ آرائی نئی نہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں میڈرڈ (اسپین) میں نام نہاد ’مشرقی وسطی امن کانفرنس‘ میں عرب ممالک کو اسرائیل کے آگے گھسنے دیکھنے اور نام نہاد ’معادہ امن‘ پر مجبور کیا گیا۔ اس طرح امریکا کی ’نیورلڈ ٹیلو میسی‘ نے مسلمانوں کو ذلت کا ایک اور جام پینے پر مجبور کر دیا۔ اس ’معادہ‘ کے لیے اس مخصوص شہر اور ملک کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ خرم بتاتے ہیں کہ اس حادثے سے ٹھیک ۵۰۰ سال قبل نومبر ۱۳۹۱ء میں اسپین کی آخری عرب مسلم ریاست غرناطہ کے حکمران ابو عبد اللہ محمد نے صیاسائی فاتح فرڈی سینڈ چہارم اور ملکہ ازابیلا کے آگے اسی طرح گھسنے ٹیک دیے تھے اور اس طرح حصول امن کے نام پر اسپین سے مسلم اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اندلس تا فلسطین، عبرت کے سفر میں وہ فلسطین، لبنان (صابرہ شامیلا، قانا ۱۹۹۶ء) میں لاکھوں بے گناہوں کے قتل کی اندوہناک داستانیں سناتے ہیں۔

دنیا کی ترقی یافتہ ان ’مہذب‘ اقوام کے نزدیک جو ’ان‘ کے گروہ سے نہیں، وہ انسان ہی نہیں۔ امریکی صدر جارج واشنگٹن کے بقول: ’[ریڈ] انڈینوں میں کوئی چیز انسانی نہیں، سوائے انسانی شکل کے‘۔ مہذب سفید فام امریکیوں نے چند ہی سالوں میں ۲۰ لاکھ سرخ ہندیوں کی آبادی گھٹا کر ۲ لاکھ کر دی، اور انہیں بھی جنگلوں اور صحراؤں میں دھکیل دیا گیا۔ پھر بیسیوں صدی کے اواخر میں عین یورپ کے قلب میں بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ آج کے مغرب کی غیر جانب دار ’مہذب‘ پالیسی کا بھانڈا پھوڑ دینے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ وہ آج کے مغرب کی یوگوسلاویہ مہذب ہوا اور اس کی ’خود مختار ریاستیں‘ آزاد ہوئیں۔ ’سربیا‘، ’کروشیا‘ اور سلووینیا تو اقوام متحدہ اور یورپی برادری کی سرپرستی اور تحفظ میں آزاد ہوئیں، لیکن بوسنیا نے جہاں مسلمانوں کی اکثریت

تھی اعلان آزادی کیا تو سریبا کے یونانی آرتھوڈوکس چرچ حکمرانوں اور عوام نے وہاں قتل و غارت اور تاراج کا وہ بازار گرم کیا جس کی مثال حالیہ تاریخ میں کم ہی نظر آتی ہے۔ مسلمان آبادیوں کا محاصرہ کر کے شہریوں کو جانوروں کی طرح بلکہ بدتر انداز میں باڑوں میں قید کر کے ذبح کیا گیا، لاشوں کا منٹہ کیا گیا اور خواتین کی بے حرمتی۔ مدرسے، کتب خانے اور ثقافتی مرکز تباہ کر دیے گئے اور صدیوں کا قیمتی ورثہ جو دراصل ساری انسانیت کی میراث تھا، راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ یہ سب کرۂ ارض کے کسی ذور اقامتہ، بعید گوشے میں نہیں، یورپ اور اقوام متحدہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ خرم مراد یہ ہولناک داستانیں سنانے کے بعد کہتے ہیں: ”ہم گڑے مُردے اُکھاڑ کر نفرت کا الاؤ نہیں سلگانا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انسانوں کے درمیان امن و آشتی اور محبت عام ہو.....“

سارے انسان ایک خدا کے بندے بن کر اس کا خاندان بن کر سا تھ رہیں۔“ (ص ۱۶۶)

بد قسمتی سے پیش تر مسلم ممالک اور ان کے حکمرانوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یورپ/مغرب سے تعلق (اور وہ بھی زہدستی کا فدیوانہ تعلق) قائم کیے بغیر ہم گزارا نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک مثال خود پاکستان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”پاکستان کو بنے ہوئے مشکل سے دو ماہ ہوئے تھے کہ حکومت نے میر لائق علی کو پاکستان کے ایلچی کے طور پر امداد کے لیے امریکا بھیجا۔ اور اس طرح پاک امریکی تعلقات کی وہ بنیاد پڑی جس کے نتیجے میں پاکستان امریکا کی ایک باج گزار ریاست بن کر رہ گیا۔ فاضل مصنف کے اس خیال سے تو اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ ”پاکستان..... بنا ہی ایسی کس پرسی کے ہالم میں تھا کہ اس کے لیے شاید کسی بڑے ملک کی مدد حاصل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا.....“ (ص ۱۸۱)۔ ۲۰ ارب ڈالر کے سوال کو امریکی حکومت نے جس طرح رد کیا اس کے بعد بھی پاکستان زندہ رہا، اور کسی طرح کی شکست و ریخت سے دوچار نہ ہوا۔ لیکن ان کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ جس ناعاقبت اندیشی، ملک و ملت کے مفادات سے لاپرواہی اور بے مثال فدیوانہ خود سپردگی کے ساتھ پاکستان کو امریکا کے ساتھ فوجی معاہدوں میں باندھنے اور اقتصادی امداد کی بھیک حاصل کرنے کی حکمت عملی اختیار کی گئی، بہر حال اس کی چنداں ضرورت نہ تھی“ (ص ۱۸۱)۔ دفاع، معاش اور ثقافت و تہذیب، سبھی شعبوں میں خود کفالت کے بغیر ہم عزت کی زندگی نہیں گزار سکتے۔

مغرب کے ساتھ ہمارے تعامل میں ایک مسئلہ، 'مسلم مسیحی تعلقات' کا بھی ہے۔ اس مسئلے پر یورپ کے پرنسٹنٹ اور کیتھولک چرچوں نے جو رپورٹ تیار کی تھی، اُس میں 'برابر کے بدلے کی بنیاد' پر یہ کہا گیا تھا کہ اگر ایک عیسائی، مسلمان بن سکتا ہے، تو ایک مسلمان کیوں عیسائی نہیں بن سکتا؟ اسی طرح یہ کہا گیا کہ توہینِ رسالت پر مسلمان جو شور مچاتے ہیں، وہ آزادیِ اظہار کے منافی ہے۔ خرم کہتے ہیں کہ ہر مذہب اور معاشرے کے کچھ اپنے بنیادی مزعومات ہوتے ہیں، جن کی خلاف ورزی گوارا نہیں کی جاتی۔ مثلاً یورپ میں یہودیت یا 'سامیت' کے خلاف کچھ کہنا برداشت نہیں کیا جاتا۔ وہاں بہت سے ملکوں میں خواتین کو حجاب کا حق، ذبیحہ نماز جمعہ کا وقفہ قابل قبول نہیں ہے۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ بوسنیا ہرزیگووینا میں مسلمانوں کے اجتماعی قتل، خواتین کی اجتماعی بے حرمتی اور ان کی اقتصادی بربادی کے جو واقعات ہوئے، اُن پر 'عیسائی یورپ' کا ردِ عمل کیا رہا؟ کیا یہ برابری کی بنیاد پر انصاف ہے؟

مغرب نے مسلم دنیا پر جو کاری زخم لگائے ہیں، اور جس طرح اُسے تاراج کیا ہے، اور کر رہا ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے؟ کیا عسکری مقابلہ اس کا حل ہے؟ خرم کا جواب نفی میں ہے۔ دوسرا حل بقاے باہمی اور کسی تصادم کے بغیر اپنے ملکوں/معاشروں میں اسلام کے مطابق اداروں کی تشکیل ہے۔ لیکن وہ محسوس کرتے ہیں کہ خود مغرب اس بقاے باہمی کے لیے تیار نہیں، اور مسلم ملکوں کی اکثریت میں جو برسرِ اقتدار طبقے ہیں، وہ خود بھی مغرب کے مطیع نہ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس صورت حال کے پیش نظر مغرب کے ساتھ مشترک امور تلاش کر کے ایک داعیانہ روش اختیار کرنی چاہیے اور اجتہادِ فکر و نظر کے ذریعے خود اپنی اصلاح کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کرنا چاہیے۔

مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ اس نے اللہ سے ایک 'عہدِ وفا' کیا ہے۔ اس عہد کی تکمیل ہی میں ہماری بقا اور ترقی ہے۔ "دین جس راستے پر لے جاتا ہے، معاشی انصاف اور خوش حالی اس کے لازمی نشان ہائے منزل ہیں۔" لیکن یہ فی نفسہ نصب العین نہیں۔ ہماری آرزوئیں کیا ہیں؟ "ہم اُن جیسے بن جائیں، ہمیں اُن کا قرب حاصل ہو، ہم اُن کی داد و تحسین کے مستحق ٹھہریں، جو ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتے ہیں۔" حالانکہ انھوں نے ہی زمین کو فساد اور ظلم و جور سے بھر دیا ہے.....

خرم کہتے ہیں کہ ”آج اُمت کے لیے عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے..... وہ اللہ تعالیٰ کی..... اُس پکار پر..... لبیک کہے: ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلاؤں، تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔“ (ص ۳۰۲)

خرم نامساعد حالات میں بھی اُمید اور روشن مستقبل دیکھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ”آج اُمت میں اللہ اور رسول کی پکار ہر طرف اُٹھ رہی ہے۔ مرد و عورت بوڑھے لڑکانے سب اس پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ اسلامی تحریکات نے جدوجہد کا دیا جلا دیا ہے.....“ (ص ۲۳)۔ دنیا کا مستقبل اسلام ہے، لیکن مغربی ذہن کا خود ساختہ خوف اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا خطرہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک: ”[مسلمان] وہ روز بروز بڑھتی ہوئی سماجی اور سیاسی اُت ہیں جو مغرب کے مسلمہ تصورات پر حملہ آور ہیں.....“ (ص ۳۱۱)

وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب آج اُمت مسلمہ کی حالت زار یہ ہے کہ کم اُن کے قرضوں کے بغیر گزارا نہیں کر سکتے، ہمارا دفاع، اسکول، کالج، یونیورسٹیاں، پارلیمنٹ، بینکارین، کارخانے اور تمام ادارے اُنھی کے نقشے اور تصورات کے مطابق کام کر رہے ہیں، ہمیں کہاں باہمی استحکام نصیب نہیں، اقتصاد، تعلیم، ثقافت، سیاست، ہر لحاظ سے ہم پستی کی انتہاؤں تک پہنچ چکے ہیں تو پھر اس ”مزدور اُمت سے اُنھیں اتنا خوف کیوں ہے؟“ بات دراصل یہ ہے کہ مغرب کے کارفرماؤں کو یقین ہے کہ مستقبل کا فتنہ، فتنہ اسلام ہے۔ آج دنیا کا ہر پانچواں انسان مسلمان ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلامی تحریکیں سر اُٹھا رہی ہیں۔ لیکن اس تاریخی موقع پر مسلمانوں کو جوش سے نہیں، بلکہ ہوش سے کام لینا ہوگا۔ تحریر و تقریر کے بجائے اسلامی زندگی کے عملی مظاہر اور نفرت کے بجائے محبت سے دل جیتنے ہوں گے۔ اسلام کا پیغام دلوں کو مسخر کرنے والا ہونا چاہیے، نہ کہ تعصب اور نفرت کو ابھارنے والا۔

مغربی ملکوں میں حکمرانوں اور عوام میں امتیاز کرنا ہوگا۔ حکمرانوں کی پالیسی اور ترجیحات اور ہو سکتی ہیں۔ ہمیں عوام تک رسائی حاصل کرنی ہوگی۔ ”خود اُن ممالک کے راءے مانہ کو اپنے حکمرانوں کے خلاف کھڑا کیا جائے۔ جب تک ہم معرکہ جیتنے کی پوزیشن میں نہوں، معرکہ برپا نہ

کیا جائے، نہ مقابلے میں غیر مطلوب شدت پیدا کی جائے.....“ (ص ۳۲۲)۔ وہ کہتے ہیں کہ ’جنت اگر مطلوب ہے، تو جنت کی وسعت کے لحاظ ہی سے، دلوں میں وسعت، خیالات میں وسعت، مقاصد میں وسعت، رویوں میں وسعت، اور اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ لٹانے اور مٹانے میں وسعت..... ناگزیر ہے۔“ (ص ۳۲۳)

خرم کے نزدیک ہماری حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ جس طرح آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک ملک میں اپنے ترجمان اور نمائندے بھیجے تھے آج ایک ارب سے زائد مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کے ترجمان اور نمائندے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں آپ کا خط ہے۔ جس کو بھی اپنی اس پوزیشن اور ذمہ داری کا احساس ہو اُسے تڑپ کر کھڑا ہو جانا چاہیے۔ سلیقے سے حکمت سے، موعظہ حسنہ سے، انسانوں کو حضور سے قریب لانا چاہیے۔ جتنا زور ہم آپ کا دین پیش کرنے پر لگاتے ہیں اتنا ہی اہتمام ہمیں آپ کی ذات، شخصیت، کردار، اسوہ حسنہ اور زندگی کو پیش کرنے پر لگانا چاہیے۔ جو سراج منیر سے جتنا قریب آئے گا، اس کا دل کھلا ہوگا، وہ حضور کی روشنی اور حرارت میں سے حصہ پائے گا۔ جتنے لوگ حضور کی رسالت پر ایمان لاتے جائیں گے، آپ کے آستانے سے وابستہ ہوتے جائیں گے، اتنا ہی تہذیبی جنگ میں حضور کے پیغام کی فتح کے امکانات بڑھتے جائیں گے“ (ص ۲۸)۔ بقول اقبال -

بے خبر! تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

(خرم مراد: مغرب اور عالم اسلام (تدوین و ترتیب: سلیم منصور خالد) منشورات، منصورہ لاہور)

(۲۰۰۶ء قیمت: ۱۹۳ روپے)

اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کا کوئی ذمہ داری ماہنامہ ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ (ادارہ)